سلسلہ مطبوعات ۲۷

انگریز کے
لرزہ خیز انتقام کی داستان

علم الذی علم بالقلم
شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

مولانا سید محمد میاںؒ

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

باسمہ تعالیٰ

حرف اول

یوں تو ۱۹۴۷ء میں انگریز برعظیم ہندوستان سے کوچ کر گیا لیکن اپنے پیچھے جو نظام چھوڑ گیا وہ آج تک اس خطہ بالخصوص پاکستان کے گلے کا ہار بنا ہوا ہے۔ یہ نظام ابھی تک اس استعمار کی یاد دلاتا ہے جس نے ہمارے خطے کے باسیوں سے وہ لرزہ خیز سلوک کیا کہ اس کی داستان پڑھتے ہوئے بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

بد قسمتی سے ہمارے ملک میں غلامی کے دور کی حقیقی تصویر پیش کرنے کی بجائے بیرونی غاصبوں کی تعریف میں رطب اللسان اداروں اور جماعتوں کی کمی نہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ انگریز کے دور انتقام اور عہد خونیں سے نوجوان نسل کو آگاہ کیا جائے تا کہ اس کے تناظر میں وہ اس کے جانشیوں کے بارے میں اپنے رویوں کی سمت درست کر سکے اور نہ صرف یہ بلکہ اگلے اقدام کے لئے بھی سوچ سکے۔

زیر نظر مضمون کی آخری چند سطور کے علاوہ تمام مواد مسٹر ایڈورڈ ٹامسن کی کتاب THE OVERSIDE OF THE MIDDLE سے ماخوذ ہے موصوف کا اس بابت کہنا یہ ہے کہ انہوں نے جتنے واقعات نقل کئے ہیں انمیں سے ایک بھی کسی ہندوستانی قلم یا زبان سے نکلا ہوا نہیں ہے اور میں نے شاذو نادر ہی کوئی ایک فقرہ اینگلو انڈین اخبارات یا اس سے کم درجہ کے اپنے ملک کے اخبارات سے نقل کیا ہوگا۔ نیز یہ کہ ایسے بہت سے واقعات کو چھوڑ دیا گیا ہے جن سے اس سے زیادہ سنگ دلی اور درندگی کا اظہار ہوتا ہے۔

یہ کتاب ۱۸۵۷ء کے خونیں معرکہ کے ساٹھ سال کے بعد اس نقطۂ نظر سے لکھی گئی کہ اپنے مظالم کا اعتراف کر کے اہل ہند کے دل میں کوئی گنجائش پیدا کی جائے تاکہ وہ ماضی کو بھلا کر آئندہ کے لئے استعماری مکاریوں کے آلہ کار بن سکیں۔

اس کتاب کا اردو ترجمہ شیخ حسام الدین بی اے نے "انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ" کے نام سے کیا ہے۔ اور اس کے اقتباسات حضرت مولانا سید محمد میاں نے اپنی معرکتہ الاراء کتاب "علماء ہند کا شاندار ماضی" جلد چہارم میں نقل کئے ہیں الغرض آمدہ صفحات میں "مہذب" انگریز آقاؤں کے اپنی غیر مہذب رعایا کے ساتھ سلوک کی ایک جھلک ملاحظہ کیجئے اور عہد کیجئے کہ لاتعداد مظلوم مجاہدین اور حریت پسندوں کی لازوال قربانیوں کو بار آور بنانے کیلئے جہد مسلسل کے ذریعہ اخلاص کے ساتھ شعوری اقدامات روبہ عمل لائیں گے۔

چیئرمین

نام پمفلٹ — انگریز کے لرزہ خیز انتقام کی داستان

تحریر — مولانا سید محمد میاں

طبع اول — اپریل ۱۹۹۳ء

ناشر — شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

پوسٹ بکس نمبر ۳۶۳۔ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انگریز کے لرزہ خیز انتقام کی داستان

برعظیم ہندوستان میں انگریز سامراج کے ہاتھوں جو مذہبی، سیاسی، اقتصادی اور سماجی تباہی ہوئی اس کا ایک سچا تقاضا تھا جو ۱۸۵۷ء کے انقلاب انگیز ہنگامے کی شکل میں رونما ہوا جس کے متعلق مسٹر لیکی کا یہ قول ہے:

"اگر دنیا میں کوئی بغاوت حق بجانب کہی جاسکتی ہے تو وہ ہندوستان اور مسلمانوں کی بغاوت ہے"

لارڈ رابرٹس نے مسٹر اینسن کے نام ایک خط بنام لارڈ کیننگ وائسرائے ہند کا ایک آخری جملہ نقل کیا ہے:

"میرے نزدیک ان کارتوسوں کے استعمال سے سپاہیوں کے مذہبی جذبات کو ناقابل برداشت طریقہ سے ٹھکرا دیا گیا تھا"

مگر اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ تہذیب و اخلاق کے دعوے داروں نے اس حق بجانب بغاوت کا کیا علاج کیا، اور مذہبی مجنوں کی اصلاح کیلئے ان ہوشیار دانش مندوں کا طرز عمل کیا تھا۔ جو یورپ سے خدمتِ خلق کے لئے سات سمندر پار کر کے ہندوستان آئے تھے۔

کلیجہ تھام لو گے جب سنو گے　　　　نہ سنوائے خدا شیون کسی کا

ابتداء انتقام

کارتوسوں کے انکار پر جو انسانیت سوز سزا دی گئی تھی، ایک انگریز مورخ نے اس کا فوٹو مندرجہ ذیل الفاظ میں کھینچا ہے:

بندوقوں اور سنگینوں کے پہرہ میں ۸۵ جوانوں کو ان کے اپنے فوجی لباس

میں سپاہیوں کی حیثیت میں فوجی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا اور سزا کو بلند آواز سے سنایا گیا، جس کا مقصد سپاہیوں کو بدکار مجرموں کی فہرست میں داخل کرنا تھا۔ فوجی نشانات ان سے چھین لئے گئے۔ وردیاں ان کی پشت کی طرف سے پھاڑ دی گئیں۔ پھر لوہار زنجیریں اور اوزار لے کر آگے بڑھے، اور آناً فاناً میں وہ پچاسی جوان اپنے ساتھیوں کے اس عظیم الشان مجمع کے سامنے انتہائی بے عزتی کی تمام روشن اور ظاہر علامات کے ساتھ یعنی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنے ہوئے نظر آئے۔

یہ نہایت ہی دردناک اور ذلت آفریں نظارہ تھا جس سے سپاہی بے حد متاثر ہوئے بالخصوص جب انہوں نے اپنے بدقسمت ساتھیوں کی اس ناگفتہ بہ حالت اور مایوسانہ انداز کو دیکھا۔ حالانکہ بعض ان میں سے اپنی پلٹن میں نہایت ہردلعزیز تھے اور متعدد دفعہ انہوں نے اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر برٹش حکومت کی ترقی اور وفاداری کا ثبوت بھی دیا تھا۔ قیدیوں نے ہاتھ اٹھا کر باواز بلند جرنیل سے گڑگڑا کر رحم کی التجا کی کہ ان کو اس شدید مصیبت اور ہلاکت سے بچایا جائے پھر یہ دیکھ کر اس طریقہ سے کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوسکتا، وہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اس بے عزتی کو خاموشی سے برداشت کرنے پر انہیں شرمندہ کیا اور غیرت دلائی، اس وقت ایک بھی سپاہی اس میدان میں ایسا موجود نہ تھا، جس نے اپنے سینہ میں اس واقعہ سے رنج اور نفرت کے جذبات اٹھتے ہوئے محسوس نہ کئے ہوں لیکن بھری ہوئی میدانی توپوں اور بندوقوں اور سواروں کے چمکتے ہوئے خنجروں کی موجودگی میں حملہ کرنے کا خیال بھی پیدا نہیں ہوسکتا تھا، چنانچہ قیدیوں کو ان کی کوٹھڑیوں میں لے گئے جن پر پہرہ دینے کے لئے انہیں کے ساتھیوں کو متعین کیا گیا۔

پھانسی

یہ سزا انگریز کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی اس کے لئے یہ بھی ضروری نہ تھا کہ اس نے بغاوت کی ہو، چنانچہ کوپر (ڈپٹی کمشنر امرتسر) لکھتا ہے۔

مسٹر مونٹ گمری کے حکم سے پنجاب میں بھی جہاں عام طور پر لوگ ابھی تک وفادار ہیں، ایک سکھ پلٹن کے صوبیدار، سوار پولیس کے رسالدار اور ایک داروغہ جیل کو فرض کی کوتاہی کے الزام میں پھانسی پر لٹکانا ضروری سمجھا گیا۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو بخوبی ذہن نشین ہوجائے کہ پنجاب کے حکام ابتداء ہی میں بلاتوقف متشددانہ کارروائی کرنے کی پالیسی سے لوگوں کے دلوں میں اپنا رعب قائم کرنا چاہتے ہیں۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے جس سے اس نیم وحشی ملک میں وقار قائم رکھا جاسکتا ہے۔ دوسری طرف ایک سخت پالیسی کا مقصد یہ بھی ظاہر کرنا تھا کہ حکومت رعایا سے غیر مشروط اور غیر مبہم وفاداری چاہتی ہے نہ کہ رعایا کی بردباری کے بھروسہ پر، جو ایک حد تک گورنمنٹ کے استقلال کی شکست کے مترادف ہے۔ کوپر ہمیں بتاتا ہے:

قیدیوں کی دائمی نجات کا راستہ نہایت آسان تھا۔ یعنی باغیوں کو دیکھ کر فی الفور نکلسن کا نعرہ بلند کیا جاتا تھا "پھانسی پر لے چلو"

ایک پادری کی بیوہ نہایت فاتحانہ انداز میں لکھتی ہے:

جب بہت سے باغی گرفتار کرلئے گئے تو انہیں حکم دیا گیا کہ وہ گرجے کے فرش کو صاف کریں، مگر باوجودیکہ یہ لوگ اپنے مذہبی معتقدات کی بناء پر اس قسم کا کام خلاف مذہب سمجھتے تھے پھر بھی سنگین کی نوک سے انہیں اس حقیر کام کے لئے مجبور کیا گیا۔ ان میں سے بعض نے نہایت پھرتی سے اس کام کو سرانجام دیا، محض اس خیال سے کہ شاید پھانسی کی سزا سے بچ جائیں لیکن بے سود، کیونکہ وہ سب کے سب پھانسی پر لٹکا دیئے گئے۔

مجینڈی لکھتا ہے:

"وہ رات ہم نے جامع مسجد پر پہرہ دیتے ہوئے بسر کی اور ہمارا زیادہ تر وقت ان قیدیوں کو گولی سے اڑا دینے یا پھانسی پر لٹکا دینے میں گذرتا تھا جن کو ہم نے صبح کے وقت گرفتار کیا تھا۔ ان میں سے بہت سے بیچارے تو اسی جگہ ختم ہوگئے لیکن آخر وقت تک ان کے چہروں سے شجاعت اور ضبط کے آثار ہویدا تھے جو اس سے

بڑے کسی مقصد کی شایانِ شان علامات تھیں"

پلٹن نمبر ۲۶ کا قصور اور اس کی سزا پر تبصرہ کرتے ہوئے اخبار ٹائمز نے لکھا تھا:

"بغاوت کے اعلان سے ۴۸ گھنٹے کے اندر پانچ سو آدمیوں کو پھانسی دی گئی۔ سوال ہوتا ہے کہ جرم کیا تھا، درآنحالیکہ خود ذمہ دار حکام کی رپورٹ سے تصدیق ہو چکی ہے کہ باغی بالکل نہتے تھے اور طوفان سے ڈر کر بھاگ نکلے تھے نیز محاصرے کے وقت بھوک اور مسافت کی تکلیف اور صدمے سے ان کی حالت نیم مردہ انسانوں کی تھی۔

بہر حال ہندوستانیوں کو اس کثرت سے پھانسیاں دی گئی جو بیان سے باہر ہے (الہ آباد سے کانپور آتے ہوئے) دو دن کے اندر بیالیس آدمیوں کو سڑک کے کنارے پھانسی دی گئی اور بارہ آدمیوں کو صرف اس جرم میں پھانسی دی گئی، کہ جب فوج مارچ کرتی ہوئی اُن کے سامنے سے گذری تو ان کے چہرے دوسری طرف کیوں تھے۔

جہاں جہاں فوج نے پڑاؤ ڈالے، وہاں پر قرب و جوار کے تمام دیہات جلے ہوئے تھے۔ یہ کہنا کہ یہ سب کان پور کے مظالم کے حادثہ کا جواب تھے، صحیح نہیں ہے کیونکہ کانپور کا شیطانی واقعہ خوفناک حوادث کے بہت بعد پیش آیا۔

آج بھی پارلیمنٹ کے محفوظ ریکارڈ میں گورنمنٹ ہند کی وہ تمام یادداشتیں محفوظ ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ باغیوں کے علاوہ عام آبادی میں سے عورتوں، مردوں، بچوں، بوڑھوں تک کو پھانسی کے تختوں پر لٹکایا گیا۔

میں نے ایک گواہ سے کہا، میں تمہاری جان بخشی کردیتا ہوں، بشرطیکہ تم اس کے عوض میں کوئی تین نام ایسے بتاؤ جن کو تمہارے عوض میں پھانسی دی جائے (دہلی میں) خون ریزی کے عادی سپاہیوں نے جوش انتقام کو فرو کرنے کے لئے پھانسی دینے والے جلادوں کو رشوت دے کر آمادہ کیا تھا کہ وہ پھانسی کے تختہ پر لاشوں کو زیادہ دیر تک لٹکتے رہنے دیں، تاکہ لاش کے تڑپنے کی دردناک کیفیت

دیکھ کر جسے وہ ناچ کہتے تھے، اپنی خونخوار طبائع کے لئے دلچسپی کا سامان بنا سکیں۔ اسی ضمن میں جھجر کے نواب عبد الرحمن خان شہید کو جان دینے میں بہت عرصہ لگا۔

درختوں پر لٹکا کر پھانسی

بنارس اور الہ آباد میں کان پور کے واقعہ سے پہلے ایک موقع پر چند نوجوان لڑکوں کو محض اس بنا پر پھانسی دی گئی کہ انہوں نے شوقیہ طور پر باغیوں کی جھنڈیاں اٹھا کر بازاروں میں منادی کی تھی۔ سزائے موت دینے والی عدالت کے ایک افسر نے پُر نم آنکھوں سے کمانڈنگ افسر کے پاس جا کر درخواست کی کہ ان نابالغ مجرموں پر رحم کر کے پھانسی کی سزا کو تبدیل کر دیا جائے لیکن بے سود۔

اس تمام سلسلے میں بے شمار ایسے واقعات ملیں گے جن میں اس قسم کی نمائشی عدالتوں تک سے بھی گریز کیا گیا، اور بے گناہ انسانوں کو بے دریغ قتل کیا گیا۔ پھانسیاں دینے کے لئے رضا کارانہ ٹولیاں بنائی گئیں جنہوں نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے دیہات کا دورہ کیا اس حالت میں کہ ان کے پاس پھانسی دینے کا سامان بھی مکمل نہیں تھا اور نہ ہی کسی کو پھانسی دینے کے طریقہ سے پوری واقفیت تھی، چنانچہ ان میں سے ایک "شریف" آدمی اپنی شاندار کامیابی پر اس طرح فخریہ اظہار کرتا تھا کہ ہم پھانسی دیتے وقت عام طور پر آم کے درخت اور ہاتھی استعمال کرتے تھے یعنی ملزم کو ہاتھی پر بٹھا کر درخت کے نیچے لے جاتے تھے اور اوپر سے رسہ ڈال کر ہاتھی کو ہنکایا جاتا تھا یہاں تک کہ ملزم اس طرح تڑپنے اور جان کنی کی حالت میں اکثر اوقات انگریزی کے آٹھ (۸) کے ہندسہ کی دلچسپ شکل بن کر رہ جاتا تھا۔

لکھنؤ پر قبضہ کرنے کے بعد قتل و غارت کا بازار گرم کیا گیا۔ چنانچہ ہر ایسے ہندوستانی کو قطع نظر اس سے کہ وہ سپاہی ہے یا اودھ کا دیہاتی، بے دریغ تہ تیغ کیا گیا، یہاں تک کہ نہ کوئی سوال ہی کیا جاتا تھا اور نہ اس قسم کا کوئی تکلف روا رکھا جاتا بلکہ محض سیاہ رنگ ہی اس کے مجرم ہونے کیلئے کافی دلیل سمجھی جاتی تھی۔ اور

ہلاکت کے لئے ایک رسہ اور درخت کی شاخ کا استعمال کیا جاتا تھا۔

سولی

(دہلی وغیرہ میں شہر کے بلند مقام پر ایک چوگوشہ سولی نصب کی گئی تھی، جہاں پانچ اور چھ اشخاص کو روزمرہ پھانسی دی جاتی تھی جس کے قریب ہی انگریز افسران سگرٹوں کے کش پر کش اڑاتے ہوئے لاشوں کے تڑپنے کے نظاروں میں محو دکھائی دیتے تھے۔

جلتی ہوئی سلاخوں سے داغ کر مارنا یا جلادینا

مسٹر نکلسن مسٹر ایڈورڈز کو ایک خط میں لکھتا ہے:

دہلی میں انگریز عورتوں اور بچوں کے قاتلوں کے خلاف ہمیں ایک ایسا قانون پاس کرنا چاہیئے جس کی رو سے ہم ان کو زندہ بھی جلاسکیں یا زندہ ان کی کھال اتار سکیں یا گرم سلاخوں سے اذیت دے کر ان کو فنا کے گھاٹ اتار سکیں۔ ایسے ظالموں کو محض پھانسی کی سزا سے ہلاک کردینے کا خیال ہی مجھے دیوانہ کئے دیتا ہے میری یہ دلی خواہش ہے کہ کاش میں دنیا کے کسی ایسے گمنام گوشے میں چلا جاؤں جہاں مجھے یہ حق حاصل ہو کہ میں سنگین انتقام لے کر دل کی بھڑاس نکال سکوں۔

نکلسن کو اپنی آرزو کے پورا ہونے میں کچھ زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا، مسٹر مویری تھامسن نے اپنے بعض قیدیوں کی دردناک سرگزشت سرہنری کاٹن کو ذیل کے الفاظ میں سنائی۔

شام کے وقت ایک سکھ اردلی میرے خیمہ میں آیا اور سلام کرکے پوچھنے لگا آپ غالباً یہ دیکھنا پسند کریں گے قیدیوں کے ساتھ سلوک کیا گیا میں فوراً لپک کر کے قیدیوں کے کیمپ میں گیا۔ جہاں ان بدبخت مسلمانوں کو عالم نزع میں بےحال دیکھا۔ یعنی مشکیں ان کی بندھی ہوئی تھیں اور وہ برہنہ زمین پر پڑے ہوئے تھے اور سر سے لے کر پاؤں تک تمام جسم کو گرم تانبے سے داغ دیا گیا تھا۔ اس روح فرسا نظارہ کو دیکھ کر میں نے اپنے پستول سے ان کا خاتمہ کردینا ہی

ان کے حق میں مناسب سمجھا۔

ایک عینی شاہد کا بیان ہے:

بد نصیب قیدی کے جلتے ہوئے گوشت سے مکروہ بد بو نکل کر آس پاس کی فضا کو مسموم بنا رہی تھی۔

انیسویں صدی میں جب کہ تہذیب اور شائستگی پر ناز کیا جاتا تھا ایک ایسا دردناک منظر دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک انسان وحشیانہ طریق سے زندہ آگ میں جلایا جا رہا ہے اور سکھ اور یورپین نہایت اطمینان اور متانت سے چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر ارد گرد کھڑے دیکھ رہے ہیں، گویا کہ وہ ایک تفریح کا سامان تھا۔

ٹائمز آف انڈیا اخبار کے فوجی نامہ نگار مسٹر رسل نے بھی اس واقعہ کی تصدیق کی ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے:

چند دنوں بعد میں نے اس شخص کی جلی ہوئی ہڈیوں کو اسی میدان میں پڑا ہوا پایا۔

ایڈورڈ ٹامسن لکھتا ہے:

دماغ پر سزا کا ایک ایسا مہلک اثر پڑتا ہے کہ بعض دفعہ تو انسان نواب معین الدین حسن کے بیانات کو جن میں اس دردناک سزا کا ذکر ہے، پڑھنے یا سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا، لیکن گورنمنٹ بنگال کے سرکاری کاغذات میں اب بھی ایسی دستاویزت محفوظ ہیں جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انگریز نہایت کثرت سے اس ہولناک سزا کا استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ ایک انگریز افسر کی چٹھی ابھی تک محفوظ ہے جس میں اٹھارہویں صدی کے آخری دور کے حالات پر بحث کرتے ہوئے اس دردناک طریق سزا کی ذیل کے الفاظ میں مذمت کی ہے۔

آخر کب تک ہم بنی نوع انسان کو اس دل خراش طریق سے گرم سلاخوں پر سکڑتے اور بھنتے دیکھنے کی اذیت برداشت کرتے رہیں گے۔[۱]

سور کی کھال میں سیکر جلانا

ٹائمز آف انڈیا کے ایڈیٹر مسٹر ڈی لین نے لکھا تھا:

زندہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں سینا یا پھانسی سے پہلے ان کے جسم پر سور کی چربی ملنا یا زندہ آگ میں جلانا یا ہندوستانیوں کو مجبور کرنا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بدفعلی کریں، ایسی مکروہ اور منتقمانہ حرکات کی دنیا کی کوئی تہذیب بھی کبھی اجازت نہیں دیتی، ہماری گردنیں شرم و ندامت سے جھک جاتی ہیں اور یقینا ایسی حرکات عیسائیت کے نام پر ایک بدنما دھبہ ہیں جن کا کفارہ ہمیں بھی ایک دن ادا کرنا پڑیگا۔

توپ سے باندھ کر اڑا دینا

لارڈ رابرٹس اپنی والدہ کو ایک چٹھی میں لکھتا ہے:

ہم پشاور سے جہلم تک پاپیادہ سفر کرتے ہوئے پہنچے اور راستہ میں کچھ کام بھی کرتے آئے یعنی باغیوں سے اسلحہ چھیننا اور ان کو پھانسیوں پہ لٹکانا، چنانچہ توپ سے باندھ کر اڑا دینے کا جو طریقہ ہم نے اکثر استعمال کیا ہے، اس کا لوگوں پر خاص اثر ہوا۔ یعنی ہماری ہیبت لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گئی اگرچہ یہ طریقہ سزا نہایت دل خراش ہے۔

لڑائی کے اختتام پر بہت سے قیدیوں کو پھانسی پر لٹکایا گیا اور یہ معلوم ہونے پر کہ اس قسم کی موت کی وہ کوئی خاص پرواہ نہیں کرتے تو ان میں سے چار آدمیوں کو فوجی عدالت کے حکم سے توپوں سے باندھ کر اڑا دیا گیا۔ چنانچہ ایک روز ایک توپ کے بہت بڑے دھماکہ کی آواز سے ہم چونک پڑے۔ جس کے ساتھ ہی ایک ناقابل بیان دھیمی، مگر وحشت ناک چیخ بھی سنائی دی۔ دریافت کرنے پر ہمیں ایک افسر نے بتایا کہ یہ نہایت ہی کرب انگیز نظارہ تھا یعنی ایک توپ میں اتفاق سے بارود زیادہ بھرا ہوا تھا جس کے چلائے جانے سے بدقسمت ملزم کا گوشت ریزہ ریزہ ہو کر فضائے آسمانی میں اڑا اور تماشائیوں پر خون کے چھینٹے اور گوشت کے ٹکڑے گرے اور اس کا سر ایک راہرو پر اس زور سے گرا کہ اس کو بھی چوٹ آگئی۔

بھوکا رکھ کر یا دم گھونٹ کر مارنا

مسٹر کوپر لکھتا ہے:

پہلی اگست کو بقر عید کا دن تھا، اس لئے مسلمان سواروں کو وہاں سے علیحدہ کرنے کے لئے ایک مفید عذر تھا۔ چنانچہ ان کو تیوہار منانے کیلئے امرتسر بھیج دیا گیا۔ اور صرف ایک عیسائی افسر وفادار سکھوں کی امداد سے ایک مختلف قسم کی قربانی کیلئے وہاں پر اکیلارہ گیا جو نہایت اطمینان سے اپنا کام کرتا رہا۔ اب مشکل یہ پیش آئی کہ لاشوں کو کس طرح دبایا جائے تاکہ ان کا تعفن نہ پھیلے، لیکن اتفاق سے قریب ہی ایک ویران کنواں مل گیا۔

جب دس دس کی ٹولی کو یکے بعد دیگرے گولی سے اڑاتے ہوئے ڈیڑھ سو سپاہی مارے جاچکے تو قتل کرنے والوں میں سے ایک شخص غش کھا کر گر پڑا، جو ہلاک کرنے والوں میں سب سے بوڑھا سپاہی تھا۔ اس لئے آرام کرنے کے لئے تھوڑا سا وقفہ دیا۔ اس کے بعد پھر قتل کی کاروائی شروع کردی گئی۔ جب تعداد دو سو پینتیس تک پہنچ چکی تو ایک افسر نے اطلاع دی کہ باقی باغی برج سے باہر آنے سے انکار کرتے ہیں، جہاں وہ چند گھنٹے پیشتر عارضی طور پر بند کردیئے گئے تھے۔ اس برج کے دروازے کھولے گئے تو معاً ایک دردناک نظارہ دیکھنے میں آیا جس سے ہول ولس بلیک ہال کی یاد تازہ ہوگئی یعنی پینتالیس آدمیوں کی مردہ لاشیں لائی گئیں جو خوف، گرمی، سفر کی صعوبت اور دم گھٹنے کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ہلاک ہوگئے تھے۔

ان مردہ اور نیم مردہ لاشوں کو گاؤں کے بھنگیوں کے ہاتھوں قریب کے ویران کنویں میں پھینکوادیا گیا۔

لطف یہ ہے کہ جنرل لارنس اور رابرٹ منٹگمری وغیرہ نے اس فعل کی داد دیتے ہوئے کوپر کو مبارکباد کے خط لکھے، (ملاحظہ ہو انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۵۷)

نہ صرف سولی پر اکتفا کیا گیا بلکہ دیہات میں لوگوں کو اپنے مکانوں میں بند کرکے آگ میں جلاکر خاکستر بھی کیا گیا۔

قتلِ عام اور بستیوں کو جلادینا

۳۱ جولائی ۱۸۵۷ء کو گورنر جنرل با اجلاس کونسل کی طرف سے ہندوستان میں مفصل ہدایات جاری کی گئیں کہ غیر معین طریق سے دیہات کو آگ لگانا فی الفور بند کردیا جائے اور مجسٹریٹوں کو حکم دیا گیا کہ غیر مسلح آدمیوں کو فوج کے بھاگے ہوئے سپاہی سمجھ کر ہرگز کوئی سزا نہ دیں۔

بہت سی ایسی سول عدالتوں سے موت اور عمر قید کے اختیارات واپس لے لئے گئے کیونکہ ان کا استعمال نہایت بے دردی سے کیا جارہا تھا۔

۲۸ اگست کو مسٹر جان گرانٹ کو وسط ہند کا گورنر اس لئے مقرر کیا گیا تاکہ الہ آباد اور دوسرے مقامات پر بے تحاشا پھانسیوں کے سلسلہ کو بند کردیں۔ باوجود اس امر کے ایک کثیر طبقہ کی طرف سے وائسرائے اور مسٹر گرانٹ کی شدید مخالفت کی گئی یہاں تک کہ تعریض کے طور پر "پھانسیوں کو روکنے والا اور رحم دل کیننگ" وغیرہ نام دے کر ان کی ہنسی بھی اڑائی گئی، پھر بھی اس مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کی گئی۔ جب اگست میں انگریزی فوج ہندوستانی دیہات جلانے کی مہم سے واپس آرہی تھی تو راستہ میں انہوں نے وفادار سپاہیوں کی ایک جماعت کو بلاوجہ گولیوں اور سنگینوں کا نشانہ بنادیا۔ چنانچہ انتقام کے اس خوفناک مظاہرے پر اظہار خیال کرتے ہوئے ٹائمز آف انڈیا نے اس واقعہ کو جنگی یا وحشی انصاف سے تعبیر کیا۔ لیکن جنرل آوٹریم کی رائے میں یہ واقعہ معصوم انسانوں کا سنگدلانہ قتل تھا۔

میجر ریناڈ کو جنرل نیل کی طرف سے ہدایت موصول ہوئی جب وہ کان پور کے محصورین کی امداد کے لئے آرہا تھا کہ بعض دیہات کو ان کی مجرمانہ حرکات کی بناء پر عام تباہی کے لئے منتخب کرلیا گیا ہے جہاں کی تمام مرد آبادی کو قتل کردینا ہوگا۔ باغی رجمنٹوں کے تمام ایسے سپاہی فی الفور پھانسی پر لٹکادیئے جائیں جو اپنے چال چلن کے متعلق اطمینان بخش ثبوت بہم نہ پہنچاسکیں قصبہ فتح پور کی تمام آبادی کو محاصرہ میں لے کر تہ تیغ کردیا جائے۔ باغیوں کے تمام سرغنوں کو فی الفور پھانسی پر لٹکادیا جائے۔ اگر وہاں کا ڈپٹی کلکٹر قابو میں آجائے تو اس کو وہیں

پھانسی دے دی جائے اور اس کا سر کاٹ کر سب سے بڑی عمارت پر لٹکا دیا جائے۔

مسٹر رسل اپنی ایک طویل تحریر میں لکھتا ہے:

لیکن یہ تو انسانیت اور انصاف کے خلاف ہے کہ تمام اضلاع کو ہی تاخت و تاراج کیا جائے محض اس جرم پر کہ باغیوں نے ان علاقوں میں پڑاؤ کیا تھا۔

کچھ افسروں کی جانب سے احتجاج کیا گیا کہ اگر اسی طرح دیہات کو جلایا جاتا رہیگا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ فوج کو راستہ میں رسد اور چارہ بالکل دستیاب نہ ہوسکے گا۔

شمال مغربی سرحدی صوبہ اور پنجاب میں اندھادھند پھانسیاں دی گئیں، جن میں مرد، عورت اور بچوں کی کوئی تمیز روا نہ رکھی گئی۔ نیز بے شمار دیہات جلانے کی وجہ سے آبادی کے اس حصہ میں بھی نفرت اور وحشت پھیل گئی جو گورنمنٹ کے خلاف نہ تھے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فصلیں تباہ ہوگئیں اس قسم کے وجوہات کی بناء یہ افواہ نہایت ترقی پکڑ گئی کہ گورنمنٹ کا منشاء تمام ہندوؤں اور مسلمانوں کو بے دریغ قتل کردینے کا ہے۔ (رپورٹ گورنر جنرل باجلاس کونسل بحوالہ تصویر کا دوسرا رخ ص ۶۷) مختصر یہ کہ بیشمار دیہاتوں کو ایسے وقت میں جلا کر خاکستر کردیا گیا جبکہ عورتیں، بوڑھے اور بچے گھروں کے اندر موجود تھے۔ (ایضاً ص ۷۸)

انگریزوں نے راستہ میں سینکڑوں میل تک سڑک کے دونوں طرف دیہاتیوں کو بیدریغ قتل و غارت و برباد کرکے ملک کو صحرا کی طرح ویران اور سنسان کردیا۔ دہلی سے باغیوں کے فرار ہوجانے کے بعد انگریز فاتحین نے باشندوں کا قتل عام کیا اور بے ضابطہ انگریزی عدالتوں کے حکم سے ہزاروں شہری پھانسی کے تختہ پر لٹکادیئے گئے۔ حالانکہ ان کو بغاوت سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا (تصویر کا دوسرا رخ ص ۷۵، ۷۶)

دہلی میں باشندوں کے قتل عام کی منادی کی گئی حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جن کے متعلق ہمیں علم تھا کہ وہ ہماری فتح کے خواہش مند تھے۔ ہمارے اکثر جوان تو محض خون گرانے کی خواہش پورا کرنے کے لئے اپنی ہی فوج کے ہندوستانی اردلیوں اور پوربی گھسیاروں وغیرہ کو گولی سے اڑادینے کی تمنا کا

علانیہ طور پر اظہار کرتے تھے۔

کان پور کے حادثہ سے بہت عرصہ پیشتر ایک طرف تو فوجی قانون کے نفاذ کا اعلان کیا گیا اور دوسری طرف مجلس وضع قانون نے مئی اور جون میں نہایت خوفناک قوانین پاس کئے جن پر پوری سرگرمی سے عمل کیا گیا اور فوجیوں اور سول افسروں نے خونی عدالتیں قائم کرکے ہندوستانیوں کو بےدریغ موت کے گھاٹ اتارنا شروع کردیا۔ بلکہ بعض حالات میں تو بغیر کسی نام نہاد عدالت کے حکم کے پھانسیاں دی گئی۔ جن میں مرد عورت کی کوئی تمیز روا نہ رکھی گئی۔ بایں ہمہ خون ریزی کی آگ دن بدن اور بھڑکتی گئی۔ چنانچہ آج بھی پارلیمنٹ کے محفوظ ریکارڈ میں گورنمنٹ ہند کی وہ تمام یادداشتیں محفوظ ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ باغیوں کے علاوہ عام آبادی میں سے مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں تک کو بھی پھانسی کے تختہ پر لٹکادیا گیا۔ نہ صرف سولی پر ہی اکتفا کیا گیا بلکہ دیہات میں انکو اپنے مکانوں میں بند کرکے آگ میں جلاکر خاکستر کردیا گیا، اور شاذونادر ہی کسی ایک کو گولی سے مارنے کی تکلیف گوارا کی گئی ہو۔ انگریزوں نے فخریہ لکھا ہے کہ ہم نے حتی الامکان کسی ذی روح کی آبادی کو زندہ نہیں رہنے دیا۔

لکھنؤ پر قبضہ کرنے کے بعد قتل و غارت کا بازار گرم کیا گیا۔ چنانچہ ہر ایسے ہندوستانی کو قطع نظر اس سے کہ وہ سپاہی ہے یا اودھ کا دیہاتی، بےدریغ تہ تیغ کیا گیا۔ یہاں تک کہ نہ تو کوئی سوال ہی کیا جاتا تھا اور نہ ہی اس قسم کا تکلف روا رکھا جاتا تھا بلکہ محض سیاہ رنگت ہی اس کے مجرم ہونے کے لئے کافی دلیل سمجھی جاتی تھی اور ہلاکت کے لئے ایک رسہ اور درخت کی شاخ کا استعمال کیا جاتا تھا۔ یا اگر یہ اشیاء مہیا نہ ہوں تو بندوق کی ایک گولی بےگناہ انسان کے دماغ کو چیرتی ہوئی نکل جاتی تھی اور وہیں ڈھیر ہوجاتا تھا۔

دہلی میں ہماری فوج کے شہر میں داخل ہونے پر تمام ایسے لوگ جو چلتے پھرتے نظر آئے وہ سنگینوں سے وہیں ختم کردیئے گئے ایسے بدقسمت انسانوں کی تعداد بہت کافی تھی۔ آپ اس ایک واقعہ سے کافی اندازہ لگاسکتے ہیں کہ ایک گھر

میں چالیس یا پچاس ایسے اشخاص ہمارے خوف سے پناہ گزیں ہوگئے جوا گرچہ باغی نہ تھے بلکہ غریب شہری تھے اور ہمارے عفوو کرم پر تکیہ لگائے ہوئے تھے جن کے متعلق میں خوشی سے ظاہر کرتا ہوں کہ وہ سخت مایوس ہوئے کیونکہ ہم نے اسی جگہ ان کو اپنی سنگینوں سے ڈھیر کردیا۔ بے گناہ شہریوں کو درانحالیکہ وہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر رحم کی درخواست کر رہے تھے، گولی کا نشانہ بنادیا گیا، بلکہ عمر رسیدہ لوگوں کو حالانکہ ان کے جسم رعشہ سے کانپ رہے تھے کاٹ کر رکھ دیا گیا۔

ٹائمز کے نامہ نگار نے لکھا تھا۔

میں نے دہلی کے بازاروں میں سیر کرنا مطلقا چھوڑ دیا ہے کیونکہ کل ایسا دردناک واقعہ دیکھنے میں ایا ہے جس سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یعنی جب ایک افسر بیس سپاہی لے کر شہر کی گشت کو جانے لگا تو میں بھی ان کے ہمراہ ہولیا اور راستہ میں ہم نے چودہ عورتوں کی لاشوں کو شالوں میں لپٹے ہوئے بازار میں پڑا پایا جن کے سر دھڑوں تک ان کے خاوندوں نے خود جدا کردیئے تھے۔ چنانچہ عینی شاہد سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کے خاوندوں کو شبہ تھا کہ انگریز سپاہیوں کے قابو میں آگئیں تو وہ عصمت دری کریں گے۔ لہذا تحفظ ناموس کا یہی طریقہ مناسب خیال کیا گیا جس کے بعد خاوندوں نے بھی خود کشی کرلی۔ چنانچہ ان کی لاشوں کو خود ہم نے دیکھا۔

ایڈورڈ ٹامسن لکھتا ہے:

فوجی شرابوں کی دکانوں کو لوٹتے اور شراب پی کر بازاروں میں گشت کرتے بے دریغ قتل و غارت کرتے۔ کبھی کبھی کوئی منچلا ان میں سے کسی کو ختم کردیتا۔ لطف یہ ہے کہ اس قاتل کو مذہبی دیوانہ کہا جاتا ہے یعنی عقل کا تقاضا یہ تھا کہ نہایت خاموشی سے ان شرابیوں کے سامنے ذبح کے لئے گردن کیوں نہیں جھکادی۔

باغیوں کے جرم کے مقابلہ میں ہزار گنا زیادہ سنگین پاداش دہلی کے باشندوں کو برداشت کرنی پڑی۔ ہزارہا مرد و عورت اور بچوں کو بے گناہ خانماں

برباد ہوکر جنگلوں اور ویرانوں کی خاک چھاننی پڑی اور جتنا مال واسباب وہ پیچھے چھوڑ گئے ان سے ہمیشہ کے لئے ان کو ہاتھ دھونے پڑے کیونکہ سپاہیوں نے گھروں کے کونے کونے کھود کر تمام قیمتی اشیاء کو قبضہ میں کرلیا اور باقی سامان توڑ پھوڑ کر خراب کردیا۔ جس کو وہ اٹھا کر نہیں لے جاسکتے تھے۔

اسپنسر وال پول لکھتا ہے:

وحشی نادر شاہ نے بھی وہ لوٹ نہیں مچائی تھی جو فتح دہلی کے بعد انگریزی فوج نے جائز رکھی۔ شارع عام پر پھانسی گھر بنائے گئے اور پانچ یا چھ آدمیوں کو روزانہ سزائے موت دی جاتی تھی۔ وال پول کا بیان ہے کہ تین ہزار آدمیوں کو پھانسی دی گئی جن میں سے انتیس شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مؤلف قیصر التواریخ لکھتا ہے کہ ستائیس ہزار مسلمان قتل کئے گئے اور سات دن تک برابر قتل عام جاری رہا۔ (افسانہ غم صفحہ ۲۸و۲۹)

صفر ۱۲۷۴ھ کی پہلی یا دوسری تاریخ کو بادشاہ کے سمدھی الٰہی بخش کی جاسوسی سے مسٹر ہڈسن نے تین شہزادوں مرزا مغل، مرزا حضرت سلطان اور مرزا ابوبکر وغیرہ کو ہمایوں کے مقبرہ سے گرفتار کیا اور تینوں کا سر قلم کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ نے ہنس کر فرمایا تیموری خاندان کے بہادر فرزند اسی طرح سرخرو ہوکر باپ کے سامنے آیا کرتے ہیں (پنڈت سندر لال)

لارڈ رابرٹس کے نزدیک اس قسم کی تمام درندگی کا مقصد یہ تھا کہ:

ان بدمعاش مسلمانوں کو بتادیا جائے کہ خدا کے حکم سے صرف انگریز ہی ہندوستان پر حکومت کریں گے۔

اس دہشت انگیزی، بربریت اور درندگی کا نتیجہ انگریز کے حق میں نہایت مبارک تھا۔ مسلمان اس قدر خائف ہوگئے کہ کانگریسی وزارتوں کے قیام سے پیشتر تک قومی اداروں کے دستور اساسی میں بسم اللہ کے بعد پہلا جملہ یہ ہوتا تھا کہ "اس ادارہ کا تعلق سیاست سے قطعاً نہ ہوگا"

انا للہ و انا الیہ راجعون

ہماری مطبوعات

جدوجہد اور نوجوان	شیخ الہند مولانا محمود حسن
استعماری نظام اور ملی تقاضے	شیخ الہند مولانا محمود حسن
فکر ولی اللہی کا تاریخی تسلسل	مولانا عبید اللہ سندھی
قرآنی حزب انقلاب	مولانا عبید اللہ سندھی
قرآنی اقدام انقلاب	مولانا عبید اللہ سندھی
قرآنی قانون انقلاب	مولانا عبید اللہ سندھی
قرآنی اصول معاشیات	مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی
اسلام کے اقتصادی نظام کا تقابلی جائزہ	مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی
فرد اور اجتماعیت	مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی
ولی اللہی تحریک (نصب العین، پروگرام، مراکز، جماعت اور مشکلات راہ)	مولانا سید محمد میاں
امام شاہ عبد العزیز (افکار و خدمات)	مولانا سید محمد میاں
شعوری تقاضے	مولانا شوکت اللہ انصاری
غلبہ دین اور عبادات	چوہدری افضل حق
شاہ خداوندی	چوہدری افضل حق
صدائے فکر و عمل	چوہدری افضل حق
ارکان اسلام	چوہدری افضل حق
عبادت و خلافت	مولانا قاری محمد طیب
حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی کا تصور دین	مفتی سعید الرحمن
اجتماعی مسائل کا ولی اللہی حل	محمد مقبول عالم بی اے
دین کے معاشی نظام میں محنت کی قدر و اہمیت	مفتی عبد الخالق آزاد
نظام کیا ہے؟	مفتی عبد الخالق آزاد
تبدیلی نظام کا ولی اللہی نظریہ	مفتی عبد الخالق آزاد
تبدیلی نظام کیوں اور کیسے؟	مفتی عبد الخالق آزاد
ولی اللہی فکر ایک تعارف	چوہدری عبد الرؤف